اسلام کے احکام میں تخفیف کا مقام وحکم، ایک جائزہ

عبدالماجد*

ABSTRACT:

This study has been taken up keeping in view the development of modern science and technology, spectacular economic growth, emergnce of powerful politicle ideas and institutions, general awakening of the people, consciousness of rights and obligations, ideas of social justice and humanism have risen up hundreds of important problems and questions. All these problems invite our urgent attention , deep thinking and intensive research. The main focus of this work is to highlight the rule of "hardship begets facility.

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر دور میں لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء آتے رہے، جو احکام وہ لے کر آے، انہیں شریعت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان شریعتوں کی اساس و بنیاد ایک ہی تھی لیکن ان کی عملی تفصیلات، مقامی ضروریات اور زمانی تقاضوں کے مطابق مختلف تھیں۔شریعت کے تمام بنیادی تصورات کی تعلیم تمام پیغمبروں نے دی۔ قدیم شریعتوں میں احکام سیدھے سادے اور ابتدائی نوعیت کے تھے، جوں جوں انسانیت ذہنی طور پر ترقی کرتی گئی، ان احکامات کی تفصیلات میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ مرحلہ آن پہنچا جب انسانیت تکمیل شریعت کے لیے تیار تھی کہ اب اسکو آخری، مکمل، عالمگیر اور ہمہ گیر شریعت عطا کی جائے، چنانچہ شریعت اسلامی کا نزول ہوا۔

اسلامی شریعت، آخری شریعت ہے، یہ کامل اور اکمل ہے۔شریعت نے انسان کے مزاج، نفسیات، کمزوریوں اور خامیوں کا پورا پورا ادراک کرتے ہوئے نظام زندگی متعین کیا ہے۔اس کے احکامات میں انسانی ضروریات کا لحاظ رکھا گیا ہے، ان میں اعتدال وتوازن پایا جاتا ہے، اس لیے اس میں یہ صلاحیت ہے کہ ہر دور اور ہر جگہ کے لیے قابل عمل ہو سکے۔

کائنات انسانی ابتدا ہی سے کسی نہ کسی شکل میں ایک طریقِ زندگی اور رہنمائی کی ضرورت محسوس کرتی رہی ہے۔

* ریسرچ اسکالر، کراچی یونیورسٹی، کراچی برقی پتا: riazatsohu@gmail.com
تاریخِ موصولہ: ۲۰۱۱/۵/۱۵ء

اس کی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک دین فطرت نازل کیا ہے اور پہلے انسان حضرت آدمؑ کے ساتھ ہی دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کے سلسلے کا آغاز ہوا۔ اس رہنمائی کے سلسلے کو ہدایت اور صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔ حضرات انبیاءؑ کے ذریعے ہدایت کا یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی سابقہ ادیان اور شریعت منسوخ ہوگئیں اور اسلام آخری اور سچا دین قرار پایا، جو قیامت تک بلا کسی ردو بدل کے قائم و دائم رہے گا۔ خالق کائنات نے اسلام کو بحثییت آخری دین پسند فرمایا اور اس کے علاوہ کسی اور دین، طریقۂ زندگی اختیار نہ کرنے کا واضح اعلان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (آل عمران:۸۵)

''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔''

اسلام کے مکمل دین ہونے پر فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا... (المائدہ:۳)

''آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا۔''

اسلام کی حقانیت کا سب سے واضح ثبوت یہ ہے کہ یہ واحد دین ہے، جس کی بنیاد انسانی فطرت پر ہے۔ اس کے بنیادی قوانین و تعلیمات میں تمام انسانی ضروریات و تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اسلام واحد دین ہے جو فکر انسانی کے ہر دور میں، ہر پہلوئے زندگی کی رہنمائی کرتا ہے جو کہ تا قیامت ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے اس لحاظ سے اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جب کہ دیگر مذاہب صرف اخلاقی اور روحانی رہنمائی فراہم کرتے ہیں لیکن اسلام دین فطرت ہونے کے لحاظ سے انسانی زندگی کے تمام شعبوں مثلاً معیشت، سیاست، حکومت، تجارت اور دیگر انسانی اور معاشرتی مسائل کا احاطہ کرتا ہے اور ایک مکمل انسانی ریاست و معاشرے کی فلاح و بہبود کا نظریہ دیتا ہے۔

اسلام، معاشرے کے ہر فرد کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کا تعین کرتا ہے چونکہ یہ دین فطرت ہے، اس لیے بدلتے ہوئے حالات و تغیر زمانہ اور معاشرے کے ارتقا میں اجتہاد کی شکل میں جدید مسائل اور نظریات میں بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ آج بھی جدید سائنسی تقاضوں اور ترقی کے دور میں اسلام ہر قسم کے چیلنجوں کے مقابلے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اسلام کے مکمل دین ہونے سے مراد یہ بھی ہے کہ معاشرتی زندگی میں تغیر و تبدل کی جو صورت بھی ہو اور جس

زمانے میں بھی ہو، اسلام ان سب حالات میں صحیح صحیح رہنمائی کرتا ہے۔اسلام زمانے کی رفتار کو رد نہیں کرتا بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ ہر زمانے میں اصلاح وتجدید سے کام لے کر زندگی کی نہج کو درست کر دیا جائے۔(۱)

شریعت میں آسانی ونرمی

آسانی ونرمی، یہ شریعت اسلامی کی خصوصیت ہے اور اس کے ہر حکم میں پائی جاتی ہے۔نرمی سے مراد یہ ہے کہ شریعت کے احکام میں ایسی کوئی چیز نہیں کہ جس پر عمل کرنے میں انسان کو ایسی ناگزیر مشکل یا ناقابل برداشت صورت حال پیش آجائے جس سے وہ عہدہ برآ نہ ہوسکے۔نہ گویا ہر نئی پیش آنے والی صورت حال میں شریعت ایسی آسانی کا راستہ پیدا کردیتی ہے کہ جس سے عمل کرنے والا اپنے کے لیے اس پر عمل کرنا آسان سمجھتا ہے۔اس کو''مرونت'' کہتے ہیں۔اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ایک صحابیؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جب گلی میں جارہا ہوتا ہوں تو بعض اوقات ایسے جانور بھی گزرتے ہیں جن کی نجاست، نجاست غلیظہ ہے اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جنکی نجاست، نجاست خفیفہ ہے۔بعض اوقات کپڑے، جوتے یا پاؤں بھی آلودہ ہوجاتے ہیں تو ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''**یطھرھا ما بعدھا**'' جو بعد والا حصہ ہے اس کو پاک کردیتا ہے، یعنی اگر جوتے پر نجاست لگ جائے تو آگے پاک زمین پر چلنے سے اس نجاست کا اثر زائل ہوجائے گا۔

اسی طرح فقہائے اسلام نے ایک اصول نکالا جو''عموم بلویٰ'' کہلاتا ہے۔بلویٰ کا لغوی معنی مصیبت ہے(۲)۔ اس سے مراد کوئی بلا یا مصیبت یا شدید مشقت کا اس قدر عام ہوجانا ہے کہ لوگوں کے لیے اس سے بچنا مشکل ہوجائے یہ صورت ضرورت کا درجہ اختیار کرجاتی ہے، اس وجہ سے ان کے حکم میں تخفیف واقع ہوجاتی ہے۔اس کی بھی کئی مثالیں ہیں۔جن سے معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام میں نرمی اور سہولت ہے تاکہ لوگ مشکل میں پڑے بغیر شریعت کے احکامات پر عمل کرسکیں۔

تخفیف اور قرآنی ارشادات:

دین اسلام، آخری آسمانی دین ہے جو کہ اللہ کی جانب سے محمدؐ کے ذریعے بندوں کو دیا گیا ہے۔یہ دین قیامت تک کے لیے ہے اس لیے اس میں حالات وزمانہ کی رعایت کرتے ہوئے وسعت، کشادگی اور سہولت رکھی گئی ہے، زور، زبردستی اور جبر کا کوئی معاملہ نہیں۔اسلام قبول کرنے سے لے کر شریعت کے احکامات پر عمل پیرا ہونے تک سختی اور زبردستی سے منع کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ... (البقرۃ:۲۵۶)''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔''

اللہ کی صفت رحمان ورحیم ہے، اس کا رسولؐ رحمت للعالمین ہے، اس کی دی ہوئی کتاب، کتاب رحمت ہے۔اس

کی دی ہوئی شریعت، یعنی اسلام میں اسی رحمت کا ظہور، اس کے تمام شعبوں میں نظر آتا ہے۔احکام شرعیہ میں نرمی، تخفیف اور سہولت اسی رحمت کی بدولت پیدا ہوئی ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

ذٰلِکَ تَخۡفِیۡفٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ رَحۡمَةٌ... (البقرۃ:۱۷۸)

''یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے۔''

یہ بھی اللہ کی رحمت کا اظہار ہے کہ رسول اللہؐ احکام جاری کرنے اور دیگر تمام معاملات میں لوگوں کے ساتھ نرمی سے کام لیتے ہیں:

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ... (آلِ عمران:۱۵۹)

''پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ نرم رہے۔''

یوں تو رحمت الٰہی کا مفہوم بے انتہا وسیع ہے اور انسان کسی لمحہ، اور کسی امر میں اللہ کی رحمت سے مستغنی نہیں ہوسکتا، لیکن جیسا کہ مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہے، شریعت کے احکام وضع کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور اس طرح ہوا ہے کہ احکام میں عدم ضرر، تخفیف، نرمی اور سہولت رکھی گئی ہے، اور جب کسی معاملے میں ضرر، تکلیف اور مشقت محسوس ہو تو آسانی پیدا کرنے کے لیے ایسے متبادل احکام دیے گئے ہیں جن سے مشکل رفع ہوجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت، انسان کے لیے نہ صرف احکام شریعت میں جاری وساری ہے اور ہر مشکل وقت، ہر حالت ضرورت میں احکام کو آسان بنانے میں کارفرما ہے، بلکہ وسیع پیمانے پر دین میں آسانیاں مہیا کرنا رحمت خداوندی کا پرتو ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو بھی رحمت قرار دیا ہے، اس لیے قرآن میں جو احکام دیے گئے ہیں وہ آسان ہونے کی وجہ سے بجائے خود بھی سراپا رحمت ہیں اور ان پر عمل کرنا زندگی میں آسانی لاتا ہے۔

هُدًى وَرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُؤۡمِنُوۡنَ○ (الیوسف:۱۱۱)

''(یہ کتاب) ایمان لانے والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت ہے۔''

هُدًى وَرَحۡمَةً وَّ بُشۡرٰى لِلۡمُسۡلِمِيۡنَ○ (النحل:۸۹)

''مسلموں کے حق میں ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔''

وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ... (بنی اسرائیل:۸۲)

''اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں۔''

اللہ تعالیٰ لوگوں کو آسان حکم دینا چاہتا ہے، دین میں شدت پسندی اور غلو کو پسند نہیں کرتا اور قطعاً یہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے احکام شریعت پر عمل کرنے میں کسی قسم کی تنگی اور کوئی حرج محسوس کریں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ... (البقرۃ:۱۸۵)

''اللہ تمہارے لیے سہولت چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔''

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ... (المائدۃ:۶)

''اللہ نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی ڈالے۔''

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ... (الحج:۷۸)

''اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔''

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ... (النساء:۲۸)

''اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے ساتھ تخفیف برتے۔''

تخفیف اور تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

قرآنی آیات کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ دین اسلام میں تخفیف وتیسیر ودفع ضرر اور اعتدال کے بارے میں اس قدر واضح ہیں کہ ان کی کوئی اور تعبیر ممکن نہیں اور نہ ہی انہیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔مثال کے طور پر:

انی ارسلت بحنیفیۃالسمحۃ.(۳)

''میں نرمی اور آسانی کی خصوصیت رکھنے والے دین حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔''

تمام عبادات اور تکالیف شرعیہ میں تخفیف، آسانی، عدم حرج اور بقدر استطاعت تکلیف کی رعایت، شریعت اسلامیہ کا اصل الاصول اور ایک امتیازی خصوصیت ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے عمال حکومت اور دیگر صحابہ کرام کو متعدد مواقع پر احکام شریعت کے نفاذ میں عوام الناس کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا حکم دیا اور دشواریاں پیدا کرنے سے منع فرمایا۔عبادات اور دیگر دینی معاملات میں تشدد اور تعمق کو اختیار کرنا مذہبی انتہا پسندی کی ایک صورت ہے۔تشدد فی الدین کا مطلب ہے کہ کسی شرعی حکم کے دو پہلوؤں، ایک آسان اور دوسرا اس کی نسبت مشکل۔اگر ہمیشہ مشکل پہلو کو اختیار کیا جائے تو یہ تشدد فی الدین ہے۔اور تعمق کے معنی ہیں کسی معاملے میں بہت گہرا چلا جانا۔کوئی آدمی ضرورت سے زیادہ متقف بننے کی کوشش کرے اور معاملے کو خواہ مخواہ بنادے۔یہ شرعی اعتبار سے ناپسندیدہ امر ہے۔(۴)

محدثین نے آپ ﷺ کا یہ معمول نقل کیا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ؐ ان میں سے آسان تر اختیار فرماتے، بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔''(۵)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

یسروا ولا تعسروا، وبشروا ولا تنفروا. (۶)

''دین میں آسانی پیدا کرو، سختی نہ کرو اور لوگوں کو رغبت دلاؤ انہیں تنفر نہ کرو۔''

کشادگی، آسانی، تخفیف، دفع ضرر، اعتدال اور مصلحت کا اطلاق اسلامی احکام کے تمام دائروں عبادات، مناکحات، عقود، معاملات، تصرفات، عقوبات اور قضا افتا کے سب گوشوں تک وسیع اور حاوی ہے۔اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات تمام احکام کی بنیاد ہیں جن میں بندوں کی انفرادی استطاعت اور عمومی وخصوصی حالات کے تحت استعداد کار کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ... (التغابن:۱۶) ''سو اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے۔''

وما امرتکم به فافعلوا منه مااستطعتم. (۷)

''جس بات کا میں تمہیں حکم دوں اسے اپنی استطاعت کی حد تک بجالاؤ۔''

اوپر بیان کردہ آیت اور حدیث نبویؐ دونوں میں استطاعت کا لفظ آیا ہے اور لغت میں یہ لفظ مادہ طوع سے استفعال کے وزن پر ہے۔اس کے معنیٰ کسی کام کو سرانجام دینے کے لیے جن اسباب کی ضرورت ہے ان سب کا موجود ہونا مگر محققین کے نزدیک استطاعت نام ہے ان اسباب وذرائع اور صلاحیتوں کا جن کے ذریعے ان کو کسی کام کے کرنے پر قدرت ہوجائے۔استطاعت، قدرت سے اخص ہے (۸)۔گویا ذہنی، جسمانی لحاظ سے کوئی کام کیا جا سکے تو استطاعت موجود تصور ہوگی اگر ان تینوں میں سے کسی ایک کی کمی ہو تو استطاعت کا رحاصل نہیں ہوگی۔

ہر معاملے میں شریعت اسلامیہ کے اصولی احکام اور حلال وحرام کے مسائل میں نہ کوئی ابہام ہے اور نہ کوئی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔قرآن وسنت کے اکثر احکام کی یہی حیثیت ہے۔جب زمان ومکان اور افراد کے تعلق سے ایسی صورت حال پیدا ہوجاتی ہے کہ کسی شرعی امر یا نہی پر عمل ناممکن یا مشکل ہوجاتا ہے تو اس وقت استثنائی احکام اخذ کرتے ہوئے اصولی احکام کو استثنا پیدا کرنے والے اصولوں کے تابع کردیا جاتا ہے۔

تخفیف کا حکم، اجماع وقیاس کی روشنی میں

اسلام آسمانی مذاہب میں آخری مذہب ہے، اس میں عالمگیریت اور آفاقیت ہے اسے قیامت تک رہنا اور انسانوں کے تمام مسائل کا حل پیش کرنا اور انہیں ایک مکمل ضابطہ حیات دینا ہے۔اس کی اساس ایسے اصولوں پر رکھی گئی ہے جن میں مرکزیت کے ساتھ ساتھ وسعت پذیر مسلم معاشرے کے مسائل کے حل کے لیے لچک دار رویہ اپنایا گیا ہے۔شریعت اسلامیہ میں احکام ومسائل کے استخراج کے لیے جو ماخذ پیش نظر رہتے ہیں، ان میں قرآن وسنت

کے بعد سب سے اہم ترین ماخذ اور شرعی دلیل اجماع ہے۔

اجماع کی لغوی تعریف

اجماع کے لغوی معنی اشیا کو اکھٹا کرنے اور باہم ملانے کے ہیں امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

الجمع ضم الشی بتقریب بعضه من بعض یقال جمعته فاجتمع(۹)

''جمع، ایک شے کو دوسری شے کے قریب لاکر انہیں باہم ملانے کا نام ہے۔کہا جاتا ہے،''میں نے انہیں ملایا تو وہ مل گیا۔''

قرآن کریم میں یہ لفظ کئی جگہ اپنے اسی لغوی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُo (القیامۃ:۹)

اورسورج اور چاند ایک حالت کے کر دیے جائیں گے۔''

ایک اور جگہ آیا ہے۔

وَجَمَعَ فَاَوْعٰیo (المعارج:۱۸)''اور مال جمع کیا ہوگا اور اسکو اٹھا رکھا ہوگا۔''

اصطلاحی معنی

اجماع کے اصطلاحی معنی،لغوی معنی کے قریب قریب ہیں۔کسی زمانے کے مجتہدین کا کسی فیصلہ پر جمع ہوجانے کو اجماع کہتے ہیں شیخ محمد بن اعلیٰ تھانوی فرماتے ہیں:

اتفاق امجتهدین من امة محمد فی عصر علی حکم شرعی(۱۰)

''اجماع یہ ہے کہ امت محمدیہ کے صاحبِ اجتہاد علما کا کسی زمانے میں کسی شرعی مسئلے پر اتفاق کرلیں۔''

فخر الاسلام بزودیؒ نے فرمایا ہے۔

''اجماع اس امت کے اہل اجتہاد لوگوں کے کسی زمانے میں کسی معاملے پر باہم اتفاق کر لینے سے عبارت ہے۔''(۱۱)

امام غزالیؒ نے اس کی جامع تعریف کی ہے:

اما تفهیم لفظ اجماع فانما نعنی به اتفاق امة محمد خاصة علی امر من الامور الدینیة(۱۲)

''ہم اس سے حضرت محمدؐ کی امت کا خاص طور پر کسی دینی معاملے پر اتفاق مراد لیتے ہیں۔''

اجماع کی حجیت:

قرآن مجید:

قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات مبارکہ کو اجماع کے جواز کی دلیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ **وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَھِیۡدًا...** (البقرۃ:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنا دیا ہے تا کہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسولؐ گواہ رہیں تم پر۔''

اس آیت میں امت محمدیہ کی باقی امتوں پر فضیلت اس انداز سے پیش کی گئی ہے جس سے ضمنی طور پر اجماع و اتفاق کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔اس لیے شریعت اسلامی میں اجماع کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

۲۔ **وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا...** (آل عمران:۱۰۳)

''اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو۔''

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ اجماع کی مخالفت حرام ہے، مسلمانوں کے راستے کے خلاف چلنا حرام ہے اور ان کے راستے کا اتباع واجب ہے۔(۱۳)

احادیث نبویہؐ

احادیث مبارکہ سے بھی امت کے اجماع کا اثبات ہوتا ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

من فارق الجماعۃ شبراً فمات میتۃ جاھلیۃ۔(۱۴)

''جس شخص نے (مسلمانوں کی) جماعت کو ایک بالشت بھر بھی چھوڑا، پھر وہ مرگیا تو اس کی موت جاہلیت والی موت ہوگی۔''

۲۔ **فمن اراد ان یفرق امر ھٰذا الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان**(۱۵)

''جو شخص اس امت میں تفرقہ ڈالنا چاہیے جب کہ ساری امت اکٹھی ہو تو اس شخص کو قتل کرو، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونا اور اپنا الگ راستہ متعین کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پر قتل کی سزا دی جاسکتی ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

ان اللہ لا یجمع امتی او قال امة محمد علی ضلالة ویدالله علی الجماعة ومن شذ، شذ الی النار(۱۶)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو یا فرمایا محمدؐ کی امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے، جو شخص الگ ہوا وہ جہنم میں الگ ہو کر جا پڑے گا۔''

۴۔ حضرت انسؓ نے آپؐ کا ارشاد نقل فرمایا ہے:

ان امتی لا تجمع علی ضلالة فاذا رایتم اختلافاً فعلیکم بالسواد الاعظم(۱۷)

''بے شک میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔ جب تم کسی مسئلے میں اختلاف دیکھو تو واضح اکثریت کا اتباع کرو۔''

قیاس کی تعریف اور اس کا حکم

قیاس، احکام شرعیہ کے استنباط کے فقہ کے چار اصولوں میں سے ایک ہے۔

لغوی لحاظ سے قیاس، مصدر ہے، جس کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز کی مثال پر اندازہ کرنا اور تسویہ (مساوی کرنا) کے ہیں اس لیے ترازو کو مقیاس کہا جاتا ہے۔(۱۸)

اصحاب اصول کے نزدیک، قیاس کی اہم تعریف یہ ہیں:

۱۔ جس امر کے بارے میں قرآن وسنت میں خاموشی اختیار کی گئی ہے، اس کو علت حکم میں قرآن یا سنت کے کسی منصوص حکم کے مساوی کرنا

مساواة المسکوت للمنصوص فی علة الحکم(۱۹)

۲۔ مجتہد کے نزدیک علت حکم کی مشابہت کی وجہ سے اصل کا حکم فرع پر لگانا۔

تحصیل حکم الاصل فی الفرع لاشتباه هما فی علة الحکم عند المجتهد(۲۰)

۳۔ حکم اور علت میں فرع کو اصل کے مطابق کرنا

تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلة(۲۱)

۴۔ مشترک علت کی وجہ سے اصل کے حکم کو فرع پر لگانا، قیاس کہلاتا ہے۔

حقیقة القیاس تعدیة حکم الاصل الی الفرع لعلة مشترکة(۲۲)

اجتہاد کی ایک اہم اور بنیادی شکل قیاس ہے، اس لیے، بعض فقہاء، چوتھا ماخذ قیاس کو قرار دیتے ہیں اور بعض

اجتہاد کو۔ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔اجتہاد ایک بڑی چیز ہے اور قیاس اس کا ایک اہم شعبہ ہے۔(۲۳)

قیاس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے سامنے ایک اصل حکم ہے اور ایک بعد میں پیش آنے والی صورت حال ہے، دونوں میں کچھ چیزیں مشترک ہیں۔جس قدر مشترک کی بنیاد پر پہلا حکم مبنی ہے اس کا حکم آپ نئی صورتِ حال پر بھی منطبق کردیں۔

قیاس کی مشروعیت قرآن وحدیث میں

قرآن، سنت اور اجماع کی رو سے احکام خداوندی کے استنباط اور تخریج کے لے، قیاس شرعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے، اور قیاس کے ذریعے مستنبط حکم ایک صحیح شرعی حکم متصور ہوتا ہے۔(۲۴)

قرآن وسنت واجماع سے قیاس کی حجیت کے دلائل حسب ذیل ہیں:

قرآن کریم

قرآن کریم میں مختلف ملتے جلتے امور میں ایک ہی قسم کا طرزعمل اختیار کرنے کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔مثلاً:

۱۔ **فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ** ○ (الحشر:۲)

''اے دانش والو! عبرت حاصل کرو۔'' (اعتبار بھی معنی کیا گیا ہے) یہاں فقہائے نے اعتبار کا مفہوم یوں بیان کیا ہے:

ردالشی الی نظیرة ای الحکم علی الشی بما ھو ثابت لنظیرہ(۲۵)

''کسی شے کو اس کی نظیر کی طرف پھیرنا یعنی جو حکم اس کی نظیر کا ہے، وہی حکم اس شئے کا قرار دینا۔''

۲۔ خود اللہ تعالیٰ نے انسان کی اولین تخلیق پر قیاس کرتے ہوئے اس کی دوسری بار تخلیق پر یوں استدلال فرمایا ہے:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ.. (یٰس:۷۸۔۷۹)

''کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں، آپ کہہ دیجئے انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں اول بار پیدا کیا تھا۔''

اس آیت میں دوبارہ زندہ کرنے کو، پہلی بار پیدا کرنے پر قیاس کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ اس نے جب پہلی بار پیدا کردیا تو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ کسی چیز کا اعادہ، اس کی ابتدا سے زیادہ آسان ہے۔

قرآن نے بہت سی باتوں کو قیاس سے ثابت کیا ہے۔حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ اس قسم کی آیات جن میں قرآن کریم قیاس کے طریقے سے دلیل پیش کررہا ہے، چالیس سے زیادہ ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے قیاس کو بطور دلیل تسلیم کیا ہے۔

سنت رسولؐ

رسول اللہؐ نے خود کئی معاملات میں قیاس سے کام لیا، اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ ایک بار ایک عورت نے آپؐ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی والدہ کی طرف سے حج کروں جو بغیر حج ادا کیے فوت ہوگئی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں، اگر تیری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کی طرف سے ادا نہ کرتی؟ پھر اللہ کا قرض اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔(۲۶)

۲۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:

ویحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب(۲۷)

''کہ رضاعت سے ایسی ہی حرمت قائم ہوتی ہے جیسے نسب ہے۔''

۳۔ ایک خاوند کے نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرنے کے بارے میں قرآن کی ممانعت (۲۸) پر قیاس فرماتے ہوئے آپؐ نے خالہ اور بھانجی اور پھوپھی اور بھتیجی کو ایک خاوند کے نکاح میں لانے کی ممانعت فرمائی۔

لا یجمع بین المرء ة و عمتها ولا بین المرء و خالتها(۲۹)

یہ روایات اس بات کی واضح نشاندہی کر رہی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں خود قیاس فرما کر، امت کے لیے قیاس سے کام لینے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔

قیاس ادلہ احکام میں سے ایک دلیل ہے اور حجت شرعیہ ہے، اس سے نئے پیش آمدہ مسائل میں اس وقت کام لیا جاتا ہے جب کوئی نص صریح موجود نہ ہو۔ قیاس معنوی طور پر ان احکام کو بتاتا ہے جو قرآن میں موجود ہیں، اس لیے اس سے مستغنی نہیں ہوا جا سکتا۔ کتاب وسنت اور اجماع کے بعد اس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ زندگی میں پیش آنے والے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کا حکم فقہا نے قیاس کے ذریعے معلوم کیا ہے اور ہم ان پر عمل کرتے ہیں۔ اگر قیاس کو دلیل شرعی تسلیم نہ کیا جائے تو ان مسائل میں عمل کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ ان کا حکم قرآن وسنت میں مذکور نہیں ہے۔ قدیم زمانے سے امت، قیاس پر عمل کرتی آ رہی ہے۔ امت کی ایک بڑی تعداد، غلط بات پر جمع نہیں ہو سکتی، لہٰذا امت کے کثیر افراد کا قیاس پر عامل رہنا، اس کی حجت کی دلیل ہے۔

دور جدید میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کا انکار یا صرف نظر ممکن نہیں اور نہ ہی کسی نبی کی بعثت کا امکان ہے۔ ایسے میں دین اسلام کی شان کمال کے اظہار اور ضروریات انسانی کی تکمیل کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ پرانے اصول، نئے مستند علما کی توجہات کا مرکز بنیں اور اخذ و استنباط کی ان وسعتوں کو کام میں لایا جائے جو اللہ نے اپنے دین متین میں رکھی ہیں، کیونکہ وہ علم ازل میں یقیناً یہ بات جانتا تھا کہ اسے اپنی دنیا کو کہاں سے کہاں تک

لے جانا ہے۔ اس لیے اگر ہم مسلمان ہیں، اگر ہم تکمیل دین پر ایمان رکھتے ہیں اور ختم نبوت کا عقیدہ ہماری اساس ہے، اور الحمدللہ ایسا ہی ہے تو ہمیں یقین کرنا ہوگا کہ ہمارے یہی اصول نہ صرف موجودہ ضرورتوں بلکہ قیامت تک پیش آسکنے والی تمام ضرورتوں کے لیے ایسے ہی کافی ہیں جیسے کہ کبھی تھے، کیونکہ نزول وحی کا دروازہ بند ہوگیا ہے، لیکن اخذ واستنباط کی راہیں کھلی ہیں۔ اب مسلمانوں نے اگر ارشاد ربانی کے مطابق جب زندگی کی ضروریات کے لیے قرآن کریم اور آپ ﷺ کے ارشادات سے استفادہ کے طریقے متعین کیے تو اسے قرآن کریم اور ختم رسالت کا اعجاز کہنا چاہیے کہ جو قواعد وضوابط مقرر کیے گئے ہیں وہ دنیا کے کسی انقلاب اور زمانے کے کسی تغیر سے بیکار یا بے اثر نہیں ہوئے اور انہی قدیم پیمانوں سے اسے اس نئی دنیا کی پیمائش بھی بآسانی ممکن ہے اور اس قیاس واستنباط واجماع میں ان تمام مسائل کا حل موجود ہے جو جدید زمانہ اپنے ساتھ لایا ہے۔(۳۰)

جزئیات وتفاصیل کے باب میں کتاب وسنت کی تصریحات محدود ہیں اور زیادہ اصول وکلیات ہیں، ادھر زمانہ کو قرار نہیں، حالات میں تغیرات ہوتے چلے آرہے ہیں اور زمانہ اپنی ہر نئی کروٹ کے ساتھ نت نئے تقاضے لے کر سامنے آتا ہے اور رہتی دنیا تک یہی نقشہ رہے گا۔ لہٰذا ان مسائل ومعاملات سے عہدہ برآ ہونے اور ان سے متعلق شرعی احکام کی تشخیص وتعیین کرنے کے لیے سوائے قیاس کے اور کوئی چارہ کار نہیں۔ اس بنا پر نئے پیش آمدہ مسائل سے متعلق فروعی احکام فقہیہ کے معاملہ میں قیاس، فقہ کا ایک ایسا اہم اور وسیع الاثر ماٰخذ ہے، جس سے بکثرت سابقہ پیش آیا کرتا ہے۔

تخفیف کا حکم زمانہ اور عرف کی روشنی میں

حالات وزمانہ کی رعایت کا ثبوت

معاشرہ، شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال، مصالح، عمارت تعمیر کرنے کے سامان ہیں، جب معاشرہ میں تبدیلی ہوگی تو لازمی طور پر احکام شرعیہ کی شکل وصورت بدلے گی اور جب احوال ومصالح باقی نہ رہیں گے تو ان سے بنی ہوئی عمارت بھی ختم ہوجائے گی۔

ہدایت الٰہی نے ہمیشہ ''شرائع'' کے نزول میں بنیاد وسامان، دونوں کا لحاظ کیا ہے اور اسی وجہ سے شرائع اور مناہج کے اختلاف کو برقرار رکھا ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی زمانے میں ان کا لحاظ نہ کیا گیا تو شریعت اور معاشرہ کا رشتہ منقطع ہوجائے گا، پھر شریعت زندگی سے کنارہ کشی پر مجبور ہوگی۔

قرآن کریم دفعتاً نازل نہیں ہوا بلکہ ۲۳ سال کی مدت میں حسب ضرورت ومصلحت بتدریج اس کا نزول ہوا ہے یعنی جیسی ضرورتیں پیش آئیں اور جس قسم کے مصالح کی رعایت ناگریز ہوئی، ان کی مناسبت سے احکام کا نزول ہوتا

رہا۔اس طریق نزول سے ایک طرف حالات وزمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے تو دوسری طرف زندگی اور قانون میں باہمی ربط کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

قرآن حکیم نے احکام کے بیان کا جو انداز اختیار کیا ہے اس سے بھی حالات وزمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے۔مثلاً بعض احکام میں صرف مقاصد بیان کیے گئے ہیں اور ان کی شکل وصورت نہیں متعین کی گئی ہے اور بعض کا صرف حدود واربعہ ذکر کیا گیا ہے اور شکل وصورت سے بحث نہیں کی گئی۔اسی طرح بہت سے احکام میں اصولی اور عمومی انداز کی گفتگو کی گئی ہے اور جزئیات کی تشریح نہیں ہے اور بعض جگہ جزئیات کی تشریح کے باوجود موقع ومحل کی تعین کی اجازت دی گئی ہے۔

انفرادی اور اجتماعی زندگی کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ان کے لحاظ سے احکام شرعیہ کے موقع ومحل کے تعین کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔اگر اس ضرورت کو ملحوظ رکھ کر تعیین نہ کی جائے تو اکثر حالات میں بیشتر احکام ناممکن العمل قرار پائیں گے یا ان کا کوئی محل باقی نہیں رہے گا۔(۳۱)

عرف کی رعایت کا ثبوت

عرف تغیر زمانہ سے بدل جاتا ہے اور اختلاف عصر پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے اس کی مثالوں کا احاطہ نہیں ہوسکتا، بطور مثال کے ذیل میں وہ مسائل ہیں جن میں اہل زمانہ کے عرف کے مطابق فتویٰ دیا گیا:

۱۔ جہیز کا سامان عرف کے تحت زوجہ کی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔(۳۲)

۲۔ مکان خریدتے ہوئے، بیع میں چھت سے اوپر کی فضا کا ذکر نہ بھی ہو تو وہ حقوق مکان میں شامل ہے، اس کی بنیاد عرف پر ہے۔(۳۳)

۳۔ وقف کرنے والے کے الفاظ اس کے اپنے زمانے کے عرف پر مبنی ہوتے ہیں۔(۳۴)

۴۔ شادی میں کفو کا اعتبار کیا جاتا ہے حالانکہ سب لوگ برابر ہیں، یہ عرف اس لیے ہے تاکہ ازدواجی زندگی کے مستقبل کا تحفظ کیا جاسکے۔(۳۵)

خواتین کے لیے احکام میں تخفیف

اسلام سے پہلے ہر دور میں عورت پر ظلم وستم ہوتا رہا ہے۔عورتوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہوتا تھا۔عرب معاشرے میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔حوا کی بیٹی صدیوں سے جبر کا شکار چلی آرہی تھی۔اسلام نے آکر عورت کو اس کا صحیح مقام دلایا اور زمانہ کو بتایا کہ یہ کم تر مخلوق نہیں ہے۔اسلام نے جو حقوق عورت کو دیے ہیں، دنیا کے کسی بھی نظام میں اسے یہ حقوق حاصل نہیں ہیں۔اسلامی معاشرے میں عورت کو بطور ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے جو مقام ومرتبہ حاصل ہے وہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں۔

اسلام نے عورت کے حقوق، زندگی کے ہر شعبے میں مقرر فرمائے ہیں، ایسے حقوق ہیں جو کسی عورت کے طبعی، جسمانی اور عقلی صلاحیتوں میں سے کسی ایک پر زائد بھی نہ ہو اور کم بھی نہ ہو۔ مرد اور عورت میں سے ہر ایک کا دائرہ کار متعین فرمایا جس میں رہتے ہوئے ہر ایک کے لیے خیر اور بھلائی، آرام وراحت کے مواقع موجود ہیں۔

معاشرتی زندگی میں جہاں عورتوں کی صلاحیتیں کارگر نہ ہوسکتی ہوں اور عورت کے بس سے معاملہ باہر ہو تو وہاں اسلام نے وہ معاملات، عورت کے سپرد نہیں کیے ہیں بلکہ مرد کو اس کا پابند بنایا ہے، جیسے: عورت کے سر سے نان ونفقہ کے حصول کا بارگراں ہٹا دیا گیا ہے اور مرد پر پوری ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔عورت کے مزاج اور ساخت کے مطابق احکامات دیے گئے ہیں اور ان میں بھی رعایت اور سہولت پیدا کردی گئی ہے۔ یہ اسلام کا، عورت پر احسان ہے۔

عورت جسمانی لحاظ سے مرد کی بہ نسبت کمزور اور نازک ہوتی ہے اور اپنے طبعی فرائض اور خصوصیات کی بنا پر مردوں کی طرح نہ تو سخت اور مشقت طلب کام کرسکتی ہے اور نہ ایسے کام کرسکتی ہے جس کے لیے اسے مردوں کے درمیان چلنا پھرنا اور رہنا پڑے۔لہٰذا اسے شریعت اسلامیہ نے بیشتر تکلیفی احکام میں تخفیف ورخصت اور رعایت دی ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا اور اسے مرد کی طرح تمام احکام پر عمل کرنے کا مکلّف ٹھہرایا جاتا تو اسے شدید مشقت کا سامنا کرنا پڑتا لہٰذا اس کی حالت اور حیثیت کے پیش نظر اسے مندرجہ ذیل رعایات اور نرم برتاؤ کا مستحق تصور کیا گیا ہے۔(۳۶)

۱۔ عورت پر نماز باجماعت، نماز جمعہ، جہاد، جزیہ، دیت (بطور عاقلہ) عیدین، تکبیر تشریق، تلبیہ فی الحج، قسامت (اور اجتماعی جرمانے) لازم نہیں۔

۲۔ جنگ میں دشمن کی عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔اسی طرح مرتد عورت کو قتل کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

۳۔ عورت کو حیض کے دنوں میں روزہ اور نماز چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے مشقت سے بچنے کے لیے اس سے نماز کی قضا ساقط کردی گئی ہے جبکہ روزہ قضا کرے گی کیونکہ روزہ کی قضا میں مشقت نہیں ہے۔

۴۔ عورت کے لیے حج کے دوران سر کے بال مونڈنا لازم نہیں کیا گیا۔حج کے لباس کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننے کی اجازت دی گئی ہے۔

۵۔ عورت کو سزا کے طور پر جلاوطن نہیں کیا جاسکتا۔

۶۔ اگر عورت پردے میں رہتے ہوئے مردوں کے سامنے نہ آنا چاہتی ہو تو اسے عدالت میں حاضر ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔قاضی خود اس کے پاس جائے گا یا اپنا نائب بھیجے گا اور بیان لے گا۔

۷۔ عورت کے لیے غسل جنابت کے وقت گندھے ہوئے بالوں کو کھولنا واجب نہیں۔اس پر سے پانی بہا دینا کافی ہے۔

۸۔ عورت کو شہادت کی ذمہ داریوں سے بری الذمہ کردیا گیا ہے لیکن اگر مرد موجود نہ ہو اور گواہ کی شدید ضرورت ہو تو عورت کو گواہ بنایا جاسکتا ہے ایسی صورت میں ایک مرد کے بجائے دو عورتیں گواہ رکھی جائیں گی تاکہ انہیں باہمی مشورہ

سے اورایک دوسرے کی ہمراہی میں شہادت دینے کی آسانی ہواورایک بھول جائے تو دوسری عورت یاد دلا دیا کرے۔ عدالت میں مردوں کے درمیان ایک عورت شہادت دیتے ہوئے گھبرا جاتی ہے لیکن دو عورتیں ہوں تو وہ نہیں گھبرائیں گی۔قرآن کریم (۳۷) کے انداز بیان (اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں) سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کی شہادت صرف حالت ضرورت میں ہی جائز ہے۔اگر معاملہ ایسا ہو جس کے بارے میں صرف عورتیں ہی مطلع ہوسکتی ہیں (حمل، بچے کی پیدائش، رضاعت وغیرہ) تو دو مردوں کے بجائے صرف ایک عورت کی شہادت کافی ہوگی۔

۹۔ عدت کے دوران عورت پر حج واجب نہیں۔

۱۰۔ اگر عورت پر زنا کا الزام ہو اور وہ کہے کہ اس پر زنا بالجبر ہوا ہے بلامزید ثبوت کے اس سے حدزنا ساقط ہو جائے گی۔

۱۱۔ حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) عورت کو اپنی جان بچانے یا بچے کی جان کا خطرہ ہو اور اس بنا پر وہ روزہ چھوڑ دے یا توڑ دے تو فدیہ نہیں ہوگا البتہ قضا دینی ہوگی۔اگر عورت کے لیے گھر کا کام کاج سخت ہو جو روزے کی حالت میں نہ ہوسکتا ہو تو روزہ چھوڑ دے اور دوسرے دنوں میں جب سہولت ہو قضا کر لے۔

۱۲۔ عورت کے لیے حیض اور نفاس ایک مرض کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس حالت میں عورت روزہ اور نماز کی مکلّف نہیں۔ روزہ قضا کیا جائے گا لیکن نماز کی قضا نہیں ہوگی بلکہ معاف ہوگی کیونکہ نماز کی قضا میں مشقت اور سختی ہے۔(۳۸)

۱۳۔ حائضہ عورت دوپہر تک روزہ کی نیت کرسکتی ہے۔

۱۴۔ عورت پر نماز باجماعت، نماز جمعہ، جہاد، جزیہ، دیت (بطور عاقلہ) عیدین، تکبیر تشریق، تلبیہ فی الحج، قسامت (اوراجتماعی جرمانے) لازم نہیں۔

۱۵۔ اگر مرد نہ ملیں تو عورتوں کی شہادت (گواہی) جائز ہے۔

۱۶۔ اگر میاں بیوی کے نباہ کی صورت نہ ہو تو طلاق وخلع کی اجازت دی گئی ہے۔اگر دوبارہ ملنا چاہیں تو ایک خاص مدت تک بلا نکاح رجعت ہوسکتی ہے بشرطیکہ تین طلاق نہ دی گئی ہوں۔ بیوی کو مشکل سے بچانے کے لیے، رجعت کی بار بار اجازت نہیں دی گئی۔

۱۷۔ ظہار میں چونکہ قصوروار مرد ہے، اس لیے شریع نے اس کے لیے کفارہ رکھا اور نکاح کو برقرار رکھا۔

۱۸۔ عدت کے دوران عورت پر حج واجب نہیں۔

۱۹۔ رضاعت سے ایسی ہی حرمت قائم ہو جاتی ہے جیسے نسب سے۔

۲۰۔ زواج میں کفائت کا اعتبار کیا گیا ہے، حالانکہ سب لوگ برابر ہیں، یہ اس لیے کہ ازدواجی زندگی کے مستقبل کا تحفظ کیا جاسکے۔(۳۹)

۲۱۔ دور رسالت میں زندگی کی ضروریات اور حالات کے لحاظ سے سماجی اور سیاسی سرگرمی اور ملازمت وکام میں

عورت شریک رہی ہے،

۲۲۔ عورت کا سماجی اور معاشرتی کاموں میں آداب کی رعایت کے ساتھ شرکت کے دو اہم فوائد حاصل ہوتے رہے ہیں،

۲۳۔ گھر کے سرپرست کی عدم موجودگی یا تنگدستگی یا وفات کی صورت میں اپنے اور اپنے خاندان کے لیے شریفانہ زندگی کی فراہمی اپنے کسب وعمل کے ذریعے اللہ کی راہ میں صدقہ وغیرہ کر کے اپنے لیے بلند مقامی کا حصول۔(۴۰)

معاشرتی اور سماجی کاموں میں اسلام نے عمل خیر کے دروازے، مرد وعورت پر کھول دیے ہیں تا کہ جس کی جتنی طاقت وصلاحیت ہو ان کو انجام دے سکے۔

خلاصہ بحث

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر دور میں لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء آتے رہے، جو احکام وہ لے کر آئے انہیں شریعت کے نام سے جانا جاتا ہے۔شریعت ایک نظام حیات ہے، جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اور مناسب رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ آخری شریعت ہے جو کامل اور اکمل ہے۔اس کے احکامات میں انسانی ضروریات کا خیال رکھا گیا ہے۔ یہ انسانوں کے لیے ایک فلاحی معاشرہ قائم کرنا چاہتی ہے، جہاں عدل وانصاف ہو، جان و مال کا تحفظ ہو۔

شریعت اسلامی کی دلیل اول اور اساسی ماخذ و مصدر قرآن مجید ہے جو تمام انسانوں کے لیے قیامت تک دستور عمل ہے۔اس کے احکام اصولی اور بنیادی نوعیت کے ہیں، ان کی تفصیلات، اوقات اور ادائیگی کا طریقہ کار ہمیں سنت نبوی ﷺ سے ملتا ہے۔آپ ﷺ کے ہر قول اور ہر عمل پر ایک ہی طرح کے وجوب کی بنا پر عمل کرنا امت کے لیے مشقت کا باعث ہے، اسی بنا پر آپ ﷺ بعض اعمال کو، بعض اوقات تعلیم امت کے لیے ترک کر دیا کرتے تھے تا کہ امت کے لیے بھی اس کو بصورت عذر ترک کرنے کی گنجائش رہے۔

اسلام کے بنیادی مأخذ میں جس طرح تخفیف کی صورتیں رکھی گئی ہیں اور انسانی مصلحتوں کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے اسی طرح ثانوی مأخذ شریعت میں بھی یہ موجود ہے۔فقہا نے فرمایا ہے کہ قیاس کو ترک کر کے وہ چیز اختیار کرنا جو لوگوں کے لیے زیادہ موافق ہو، استحسان کہلاتا ہے۔علمائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے استحسان کو استنباط احکام میں ایک شرعی حجت تسلیم کیا ہے، مالکی فقہا نے اپنے اجتہادات میں استحسان پر بکثرت عمل کیا ہے۔

فقہائے کرام نے سالہا سال تک قرآن سنت میں غور وفکر کے بعد اجتہاد کے ذریعے قواعد وکلیات دریافت کیے۔ان کے ذریعے شارع کے مقصد کو جاننا آسان ہو جاتا ہے اور احکام کے درمیان تعارض ختم کرنے میں ان سے مدد لی جاتی ہے اور احکامات کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ان قواعد وکلیات کا کردار، رہنما اصولوں کا ہے۔

شرعی احکام میں بنیادی امر یہ ہے کہ انسان کو مشقت اور حرج سے محفوظ رکھا جائے۔فقہاء نے ہر مشقت کو معتبر نہیں جانا، بلکہ مشقت کا وہ درجہ شرعا قابل قبول ہوگا جو انسانی برداشت سے باہر ہو۔بعض اوقات موقع ومحل کے اعتبار

سے کسی حکم پر عمل مشکل ہو جاتا ہے، ایسے میں شریعت کی طرف سے سہولت دی جاتی ہے۔

قرآن وحدیث کی ہدایات بنیادی طور پر مرد وعورت، دونوں کو مخاطب بناتی ہیں۔ کچھ معاملات میں فرق رکھا گیا ہے اس لیے کہ دونوں کی جسمانی ساخت جداگانہ ہے۔ شریعت نے دونوں کے مزاج، ساخت اور صلاحیتوں کے اعتبار سے احکامات دیے ہیں۔ طبعی اور جسمانی اعتبار سے وعورت چونکہ صنف نازک ہے اس لیے شریعت نے معاشرتی زندگی کے احکامات میں اس کے ساتھ خصوصی رعایت ہے، اس کے حقوق کی حفاظت کی ہے اور اسے معاشرے میں بلند مقام عطا کیا ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) مصباح الرحمان یوسفی، سہ ماہی فکر ونظر، ص ۲۹۔۳۰، اسلامی قانون سازی میں احوال واقعی کی رعایت، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۹ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

(۲) ابراہیم مصطفیٰ، المعجم الوسیط، مادہ بلیٰ، ص، دارالدعوہ، استنبول، ترکی (سن اشاعت ندارد)

(۳) احمد بن حنبل، مسند الامام بن حنبل، ج ۶، ص ۲۳۲، دارالفکر، المکتب الاسلامی، بیروت

(۴) سعد اللہ، دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں، ص ۳۷، ماہنامہ فقہ اسلامی، اپریل ۲۰۰۵ء، کراچی

(۵) محمد بن اسماعیل بخاری، الصحیح للبخاری، الجزء الرابع، ص ۱۸۹۰، حدیث نمبر ۶۷۸۶

(۶) ایضاً، ص ۱۱۷۱، حدیث نمبر ۴۳۴۴

(۷) مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، الصحیح للمسلم، الجزالثانی، ص ۲۶۸، کتاب الفضایل، باب توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر ۶۱۱۳، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، سن اشاعت ندارد

(۸) امام راغب الاصفہانی، مفردات القرآن، مادہ طوع، ص ۳۱۰، نور محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی۔

(۹) امام راغب الاصفہانی، مفردات القرآن، ص ۹۶، مادہ جمع

(۱۰) عبدالعزیز بخاری، کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزودی، ج ۳، ص ۲۲۷، الصدف پبلشرز، کراچی، پاکستان، سن اشاعت ندارد

(۱۱) ابوحامد محمد بن محمد غزالی، المستصفی من علم الاصول، ج ۱، ص ۲۸۲، منشورات، الشریف الرضی، قم ایران، سن اشاعت ندارد

(۱۲) سیف الدین علی آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ج ۱، ص ۱۶۸

(۱۳) ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ج ۳، ص ۱۷۸، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۹ء

(۱۴) مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، الصحیح للمسلم، الجزالثانی، ص ۱۳۷، باب حکم من فرق امر المسلمین وھو مجتمع۔

(۱۵) ابوعیسی محمد بن عیسی، الترمذی، جامع الترمذی، الجزالثانی ص ۱۱۱، کتاب الفتن، باب فی لزوم الجماعۃ، حدیث نمبر ۲۱۶۷، الطاف اینڈ سنز، کراچی، ۱۴۳۰ھ۔۲۰۰۹ء

(۱۶) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن، باب سواد الاعظم، حدیث نمبر ۳۹۵

(۱۷) محمود الحسن، علم اصول فقہ، ج ۱، ص ۳۲۴، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

(۱۸) عبد العلی محمد بن نظام الانصاری، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت علی متن مستصفی، ج ۲،ص ۲۴۶، المطبعۃ الامیریہ بولاق، مصر، الطبعۃ الاولی، ۱۳۲۴ھ

(۱۹) محمد بن علی شوکانی، ارشاد الفحول، ج ۲،ص ۱۲۶، دار الکتبی القاہرہ۔مصر، ۱۴۱۳ھ۔۱۹۹۲ء

(۲۰) شیخ احمد صدیقی، ملا جیون، نور الانوار، ج ۲،ص ۳، مکتبۃ البشری، کراچی، ۱۴۲۹ھ۔۲۰۰۸ء

(۲۱) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ (اردو ترجمہ از عبد الحق حقانی) ج ۱،ص ۲۸۷، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ۱۳۱۲ھ

(۲۲) محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، ص ۳۳۰

(۲۳) عبد المالک عرفانی، اسلامی نظریہ ضرورت، ص ۱۵۶۔شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء

(۲۴) محمد بن علی شوکانی، ارشاد الفحول، ج ۲،ص ۱۲۸

(۲۵) سعد الدین مسعود تفتازانی، التوضیح والتلویح، ص ۵۳۹، مطبعہ محمد علی الصبیح، مصر، ۱۳۷۷ھ۔۱۹۵۷ء

(۲۶) بخاری، الصحیح للبخاری، الجزالاول، ص ۴۱۲، باب وجوب الحج وفضلہ، حدیث نمبر ۱۵۱۳

(۲۷) بخاری، الصحیح للبخاری، ج ۳،ص ۱۴۵۳، کتاب النکاح، باب وامھاتکم التی ارضعنکم، حدیث نمبر ۵۰۹۹۔

(۲۸) النساء ۴:۲۳

(۲۹) بخاری، الصحیح للبخاری، ج ۳،ص ۱۴۵۷، کتاب النکاح، باب لا تنکح المراۃ علی عمتھا، حدیث نمبر ۵۱۰۹۔

(۳۰) طارق مجاہد، اجتماعی اجتہاد، ضرورت، تاریخی پس منظر، تجاویز، ماہنامہ فقہ اسلامی، ص ۱۷، جنوری ۲۰۰۵ء، کراچی

(۳۱) مصباح الرحمان یوسفی، سہ ماہی فکر ونظر، ص ۳۲، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۹ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

(۳۲) وہبۃ الزحیلی، الوسیط فی اصول الفقہ الاسلامی، ص ۳۸۳ (۳۳) ایضا

(۳۴) ایضا (۳۵) ایضا

(۳۶) ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۸۱۔مکتبہ نزاز، ریاض، ۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۷ء

(۳۷) البقرہ ۲:۲۸۲ (۳۸) محمد بن احمد الجزری، کتاب الفقہ، ج ۱،ص ۱۲۲

(۳۹) وہبۃ الزحیلی، الوسیط، ص ۳۸۳

(۴۰) عبد الحلیم، ابوشقہ، عورت عہد رسالت میں، ص ۵۳، نشریات، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۷ء